

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پسند و نصح

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 4)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل: 129)

یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
 اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
 ڈرو یارو کہ وہ بیٹا خدا ہے
 اگر سوچو، یہی دارالجزاء ہے
 مجھے تقویٰ سے اُس نے یہ جزا دی
 فَسُبْحَانَ الَّذِي أَخْرَجَ الْأَعْدَى

معزز سامعین! اللہ تعالیٰ کے فضل سے ”مشاہدات“ کو ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دس جلدوں میں سے احباب جماعت کے نام پسند و نصح کو 75 تقریروں میں جمع کرنے کی توفیق ملی ہے۔ الحمد للہ علی ذالک۔ آج سامعین کے سامنے جلد 10 کی چوتھی تقریر پیش کی جا رہی ہے۔

جماعت کو نصیحت

فرمایا:

”ملاقات سے غرض یہی ہوتی ہے کہ امر دین کے متعلق کچھ سوچا جاوے۔ میں بار بار اور کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ ظاہر نام میں تو ہماری جماعت اور دوسرے مسلمان دونوں مشترک ہیں۔ تم بھی مسلمان ہو۔ وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ تم کلمہ گو ہو وہ بھی کلمہ گو ہیں۔ تم بھی اتباع قرآن کا دعویٰ کرتے ہو۔ وہ بھی اتباع قرآن ہی کے مدعی ہیں۔ غرض دعویوں میں تو تم اور وہ دونوں برابر ہو مگر اللہ صرف دعویوں سے خوش نہیں ہوتا جب تک کوئی حقیقت ساتھ نہ ہو اور دعویٰ کے ثبوت میں کچھ عملی ثبوت اور تبدیلی حالت کی دلیل نہ ہو۔ اس واسطے اکثر اوقات مجھے اس غم سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ ظاہری طور سے جماعت کی تعداد میں تو بہت ترقی ہو رہی ہے۔ کیا خطوط کے ذریعہ سے اور کیا خود حاضر ہو کر دونوں طرح سے سلسلہ بیعت میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ آج کی ڈاک میں بھی ایک لمبی فہرست بیعت کنندگان کی آئی ہے۔ لیکن بیعت کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل کرنی چاہیے اور اس پر کاربند ہونا چاہیے اور بیعت کی حقیقت یہی ہے کہ بیعت کنندہ اپنے اندر سچی تبدیلی اور خوفِ خدا اپنے دل میں پیدا کرے اور اصل مقصود کو پہچان کر اپنی زندگی میں ایک پاک نمونہ کر کے دکھاوے اگر یہ نہیں تو پھر بیعت سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ بیعت پھر اس واسطے اور بھی باعث عذاب ہوگی کیونکہ معاہدہ کر کے جان بوجھ اور سوچ سمجھ کر نافرمانی کرنا سخت خطرناک ہے۔“

میں خوب جانتا ہوں کہ ان باتوں کا کسی دل میں پہنچا دینا میرا کام نہیں اور نہ ہی میرے پاس کوئی ایسا آلہ ہے جس کے ذریعہ میں اپنی بات کسی کے دل میں بٹھا دوں۔ مگر یہ معاملہ مجھ سے ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء اسی راہ پر آئے ہیں۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص: 57)۔ یہ ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے۔ اب اور کون ہے جو اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت پر قائم کر سکے۔ نصیحت کرنا اور بات پہنچانا ہمارا کام ہے۔ یوں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس جماعت نے اخلاص اور محبت میں بڑی نمایاں ترقی کی ہے۔ بعض اوقات جماعت کا اخلاص، محبت اور جوش ایمان دیکھ کر خود ہمیں تعجب اور حیرت آتی ہے اور یہاں تک کہ دشمن بھی تعجب میں ہیں۔ ہزار ہا انسان ہیں جنہوں نے محبت اور اخلاص میں تو بڑی ترقی کی ہے مگر بعض اوقات پرانی عادات یا بشریت کی کمزوری کی وجہ سے دنیا کے امور میں ایسا وافر حصہ لیتے ہیں کہ پھر دین کی طرف سے غفلت ہو جاتی ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ بالکل ایسے پاک اور بے لوث ہو جاویں کہ دین کے سامنے امور دنیوی کی حقیقت نہ سمجھیں اور قسم قسم کی غفلتیں جو خدا سے دوری اور مہجوری کا باعث ہوتی ہیں وہ دور ہو جاویں۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو اُس وقت تک حالت خطرناک ہے اور قابل اطمینان نہیں۔ کیونکہ جب تک ان باتوں کا ذرہ بھی وجود موجود ہے تو اندیشہ ہے اور ایک دبدہ لگی رہتی ہے کہ کسی وقت یہ باتیں زور پکڑ جاویں اور باعث حبط اعمال ہو جاویں۔ جب تک ایک قسم کی مناسبت پیدا نہیں ہوتی تب تک حالت قابل اطمینان نہیں ہوتی۔ موت کا کوئی وقت نہیں۔ آئے دن طاعون، ہیضہ، زلازل، وبائیں، قحط اور اور طرح کے امراض انسان پر حملہ کر رہے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہوں تب بھی بعض اوقات خدا تعالیٰ کی ناگہانی گرفت اس طور سے انسان کو آدبا تی ہے کہ پھر کچھ بن نہیں پڑتا۔ پس ضروری ہے کہ جو اقرار کیا جاتا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا اس اقرار کا ہر وقت مطالعہ کرتے رہو اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی کا زندہ نمونہ پیش کرو۔ عمر کا اعتبار نہیں۔ دیکھو! ہر سال میں کئی دوست ہم سے جدا ہو جاتے ہیں اور کئی دشمن بھی چل بستے ہیں۔ خدا نے بعض خوفناک خبریں دی ہیں اور وہ اپنی بات میں سچا ہے۔ ان سے اور بھی خوف آتا ہے وہ بہت ہی خطرناک ہیں۔ رنگارنگ کے خوف احاطہ کئے ہوئے ہیں۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 333-335)

تقویٰ، طہارت والے خدا کی حمایت میں ہوتے ہیں

فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل: 129) تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی اختیار کرنے والے خدا کی حمایت میں ہوتے ہیں اور وہ ہر وقت نافرمانی کرنے سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں۔ آجکل دنیا کا اصول منافقانہ زندگی بسر کرنا ہو گیا ہے۔ اوّل اوّل انسان انسان سے نفاق کرتا ہے اور منافقانہ رنگ میں ہاں میں ہاں ملاتا ہے حالانکہ دلوں میں کدورت اور رنج و بغض بھرا ہوتا ہے۔ پھر یہ عادت ترقی کرتے کرتے ایسی بڑھتی ہے کہ خدا سے بھی منافقانہ تعلق کرنا چاہتا ہے اور خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ خدا اَعْلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے دل سے تو مومن ہوتا نہیں مگر خدا کے آگے مومن بننا چاہتا ہے۔ بھلا خدا کسی کے دھوکے میں آسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

دیکھو! تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک متقی انسان کی خاطر دوسروں پر بھی رحم کرتا ہے اور اس کے اہل و عیال، خویش و اقارب اور متعلقین پر بھی اثر پڑتا ہے اور اسی طرح سے اگر جرائم اور فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا اثر بھی پڑتا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ سے ڈرنا اور متقی بننا بڑی چیز ہے خدا اس کے ذریعہ سے ہزار آفات سے بچا لیتا ہے۔ بجز اس کے کہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اس کے شامل ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بلا نہیں پکڑے گی اور کسی کو بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ آفات تو ناگہانی طور سے آجاتے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ رات کو کیا ہو گا؟ لکھا ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ پہلے بہت روئے اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یا عباد اللہ! خدا سے ڈرو۔ آفات اور بلیات چیونٹیوں کی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ ان سے بچنے کی کوئی راہ نہیں۔ بجز اس کے کہ سچے دل سے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ۔ استغفار اور توبہ کا یہ مطلب نہیں جو آجکل لوگ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جبکہ اس کے معنی بھی کسی کو معلوم نہیں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ایک عربی زبان کا لفظ ہے۔ ان لوگوں کی تو چونکہ یہ مادری زبان تھی اور وہ اس کے مفہوم کو اچھی طرح سے سمجھتے ہوئے تھے۔ استغفار کے معنی یہ ہیں کہ خدا سے اپنے گزشتہ جرائم اور معاصی کی سزا سے حفاظت چاہنا اور آئندہ گناہوں کے سرزد ہونے سے حفاظت مانگنا۔ استغفار انبیاء بھی کیا کرتے تھے اور عوام بھی۔

بعض نادان پادریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے استغفار کرنے سے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ استغفار تو ایک اعلیٰ صفت ہے۔ انسان فطرتاً ایسا بنا ہے کہ کمزوری اور ضعف اس کا فطری تقاضا ہے۔ انبیاء اس فطرتی کمزوری اور ضعف بشریت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لہذا وہ دعا کرتے ہیں کہ یا الہی! تو ہماری ایسی حفاظت کر کہ وہ بشری کمزوریاں ظہور پذیر ہی نہ ہوں۔ عَفْوَ کہتے ہیں ڈھکنے کو۔ اصل بات یہی ہے کہ جو طاقت خدا کو ہے وہ نہ کسی نبی کو ہے نہ ولی کو اور نہ رسول کو۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اپنی طاقت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں پس انبیاء بھی حفاظت کے واسطے خدا کے محتاج ہیں۔ پس انظارِ عبودیت کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور انبیاء کی طرح اپنی حفاظت خدا سے مانگا کرتے تھے۔ یہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ استغفار نہ کرتے تھے۔ یہ ان کی بیوقوفی اور بے سمجھی ہے اور یہ حضرت عیسیٰ پر تہمت لگاتے ہیں۔ انجیل میں غور کرنے سے صریح اور صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جا بجا اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا اور استغفار بھی کیا۔ اچھا! جھلا آئیے آئیے لِمَا سَبَقْتَانِي سے کیا مطلب؟ آئیے آج کر کے کیوں نہ پکارا؟ عبرانی میں آئیے خدا کو کہتے ہیں۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ رحم کر اور فضل کر اور مجھے ایسی بے سرو سامانی میں نہ چھوڑ (یعنی میری حفاظت کر)۔

در حقیقت مشکل تو یہ ہے کہ ہندوستان میں بوجہ اختلاف زبان استغفار کا اصل مقصد ہی مفقود ہو گیا ہے اور ان دعاؤں کو ایک جنتر منتر کی طرح سمجھ لیا ہے۔ کیا نماز اور کیا استغفار اور کیا توبہ؟ اگر کسی کو نصیحت کرو کہ استغفار پڑھا کرو تو وہ یہی جواب ملتا ہے کہ میں تو استغفار کی سو بار یا دو سو بار تسبیح پڑھتا ہوں مگر مطلب پوچھو تو کچھ جانتے ہی نہیں۔ استغفار ایک عربی لفظ ہے اس کے معنی ہیں طلبِ مغفرت کرنا کہ یا الہی! ہم سے پہلے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان کے بد نتائج سے ہمیں بچا کیونکہ گناہ ایک زہر ہے اور اس کا اثر بھی لازمی ہے اور آئندہ ایسی حفاظت کر کہ گناہ ہم سے سرزد ہی نہ ہوں۔ صرف زبانی تکرار سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

توبہ کے معنی ہیں ندامت اور پشیمانی سے ایک بد کام سے رجوع کرنا۔ توبہ کوئی بُرا کام نہیں ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ توبہ کرنے والا بندہ خدا کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ خدا کا نام بھی تو اب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنے گناہوں اور افعالِ بد سے نادم ہو کر پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ اس بد کام سے باز رہنے کا عہد کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رجوع کرتا ہے رحمت سے۔ خدا انسان کی توبہ سے بڑھ کر توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف ایک بالشت بھر جاتا ہے تو خدا اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہے۔ اگر انسان چل کر آتا ہے تو خدا دوڑ کر آتا ہے۔ یعنی اگر انسان خدا کی طرف توجہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی رحمت، فضل اور مغفرت میں انتہا درجہ کا اس پر فضل کرتا ہے۔ لیکن اگر خدا سے مُنہ پھیر کر بیٹھ جاوے تو خدا کو کیا پروا۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 336-339)

اسلامی پابندیاں

فرمایا:

”اسلام نے شرائط پابندی ہر دو عورتوں اور مردوں کے واسطے لازم کیے ہیں۔ پردہ کرنے کا حکم جیسا کہ عورتوں کو ہے مردوں کو بھی ویسا ہی تاکید حکم ہے غصّ بصر کا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، حلال و حرام کا امتیاز، خدا کے احکام کے مقابلہ میں اپنی عادات رسم و رواج کو ترک کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی پابندیاں ہیں جن سے اسلام کا دروازہ نہایت ہی تنگ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شخص اس دروازے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ عیسائی باش و ہرچہ خواہی کُن۔ اور ان کا مذہب بھی ایک بے قید مذہب ہے اور مسلمانوں میں بھی آجکل ان لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا ہے کہ وہ اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اصل میں یہ سب امور اس بے قیدی اور آزادی کے خواہشمندوں کو سوچتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ بے قیدی اور پاکیزگی تو نور و ظلمت کی طرح آپس میں دشمن ہیں۔ لاہور میں بھی طبائع میں قبولِ حق کی استعداد تو معلوم ہوتی ہے مگر بے قیدی اور آزادی ان کے راستے میں ایک سخت روک ہے۔ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک قوم مسلمان ہوئی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں نماز معاف کر دی جاوے۔ مگر آپ نے ان کو یہی فرمایا کہ دیکھو! جس مذہب میں خدا کی عبادت نہیں وہ مذہب ہی کچھ نہیں۔ جب دنیا کی حالت کے اس آزاد اور بے قید حصّہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو دل پر ایک قسم کا زلزلہ اور لرزہ وارد ہوتا ہے اور خیال آتا ہے کہ حقیقت میں اصلاح کی راہ میں سے اسی پتھر کا اٹھنا مشکل ہے۔ جُز اس کے کہ دنیا پر ایک عظیم الشان انقلاب آ جاوے جو دلوں میں خدا کی ہیبت اور سطوت اور جبروت و جلال کا یقین پیدا کر دے۔

آجکل اگر کوئی شراب کو چھوڑ بھی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شراب کا استعمال ناجائز ہے۔ اصل میں اس کا بھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کثرت سے استعمال نہ کی جاوے یا یہ کہ باہر لوگوں کے سامنے گلی بازاروں میں نہ پی جاوے۔ گھر کی چار دیواری میں جو چاہیں کریں۔ مگر اسلام نے ان سب امور کے ساتھ سچے تقویٰ اور حقیقی پاکیزگی کی سخت تاکید کی شرط اور خدا کی حدود میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 346-347)

”شیطان کے لئے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی سرشت اور بناوٹ میں دو قوتیں رکھی گئی ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ اس واسطے رکھی گئی ہیں کہ انسان ان کی وجہ سے آزمائش اور امتحان میں پڑ کر بصورت کامیابی قربِ الہی کا مستحق ہو۔ ان دو قوتوں میں سے ایک قوت نیکی کی طرف کھینچتی ہے اور دوسری بدی کی طرف بلاتی ہے۔ نیکی کی طرف کھینچنے والی قوت کا نام ملک یا فرشتہ ہے اور بدی کی طرف بلانے والی قوت کا نام شیطان یا باالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ انسان کے ساتھ دو قوتیں کام کرتی ہیں۔ ایک داعی خیر اور دوسری داعی شر۔ اگر کسی کو شیطان اور فرشتہ کا لفظ گراں گزرتا ہے تو یوں ہی سمجھ لے انسان میں دو قوتوں سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ خدا نے کسی بدی کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ خدا نے جو کیا خیر ہی خیر کیا ہے۔“

دیکھو! اگر دنیا میں گناہ کا وجود نہ ہوتا تو نیکی بھی نہ ہوتی۔ نیکی گناہ سے پیدا ہوتی ہے۔ گناہ کے وجود سے ہی نیکی کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ دیکھو! اگر کسی کو زنا کا موقع ملتا ہے اور اس میں طاقت بھی موجود ہے اور پھر وہ گناہ سے بچتا ہے تو اس کا نام نیکی ہے۔ اگر کسی کو چوری اور ظلم وغیرہ گناہ کے مواقع ملتے ہیں اور پھر وہ اس کے کرنے پر قادر بھی ہو۔ بایں ہمہ وہ ان کا ارتکاب نہ کرے اور اپنے آپ کو بچاؤے تو وہ نیکی کرتا ہے۔ گناہ کا موقع اور قدرت پا کر گناہ نہ کرنا یہی ثواب اور نیکی ہے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 359-360)

اخلاقِ رفیضہ اور اخلاقِ فاضلہ

فرمایا:

”دیکھو! اگر اخلاقِ بد نہ ہوتے تو اخلاقِ فاضلہ کن کا نام ہو سکتا۔ اخلاقِ رفیضہ ہوئے جب ہی اخلاقِ فاضلہ بھی ہوئے۔ کوئی اخلاقِ بد انسان کے ذہن میں ہوتے ہیں جب ہی تو انسان ان کا نقشہ ذہن میں رکھ کر ان کی مذمت کرتا اور اخلاقِ فاضلہ کسی خاص کام کا نام رکھتا ہے اور ان کی تعریف کرتا ہے۔ اگر ذہن میں کوئی کسی امرِ بد کا نقشہ موجود نہیں تو پھر اخلاقِ حسنہ بھی کچھ نہیں۔ ہمیشہ بدی سے ہی نیکی ممتاز کی جاتی ہے اگر ایک ہی پہلو پیدا کیا جاتا تو یقیناً کوئی اجر بھی نہ ہوتا اور کوئی خوشنودی بھی نہ ہوتی۔ (رنج سے راحت، ڈکھ سے سکھ، ظلمت سے نور، کڑوے سے میٹھا، زہر سے تریاق، بد سے نیک اور گناہ سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ ضدیں دنیا میں پیدا نہ کی جاتیں تو پھر زندگی ہی بد مزہ ہو جاتی) اگر صرف ایک ہی پہلو ہوتا تو وہ تو فطرت میں داخل تھا۔ اس پر اجر کیسا اور ثواب کیا؟ وہ ذریعہ رضامندی کیوں کر ہو سکتا؟ وہ تو ایک مجبوری تھی کہ فطرتاً انسان سے اس کے مطابق ہی اعمال سرزد ہوتے۔ یاد رکھو کہ انسان ذو اختیار بنایا گیا ہے۔ انسان کو اختیار ہے کہ نیکی کرے یا بدی، احسان کرے یا ظلم، مرؤت کرے یا بخل، ہمیشہ دونوں پہلوؤں پر لحاظ رکھ کر ہی کسی خاص انسان کے متعلق رائے زنی ہو سکتی ہے کہ نیک ہے یا بد۔ اعمال کا مفہوم ہی یہی ہے کہ دوسری طرف بھی قدرت رکھتا ہو جو انتقام لینے کی طاقت رکھتے ہوئے انتقام نہیں لیتا وہ نیکی کرتا ہے۔ مگر جس کو انتظام کے واسطے مگامارنے کا ہاتھ ہی نہیں دیا گیا وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور احسان کیا کہ مگامارنے کا ہاتھ نہیں مارا۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ ذَكَرَ إِذْ خَابَ مَنْ ذَلَّهَا (الشمس: 10-11)۔ اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نیکی اور خوبی کا مدار ہی دونوں پہلوؤں پر ہے جس کو ایک ہی قوت دی گئی ہے اور دوسری قوت ہی اس کو عطا نہیں ہوئی وہ تو ایک نقش ہے جو مٹ نہیں سکتا۔ جو شخص ملک اور شیطان کا انکار کرتا ہے وہ تو گویا بدیہات اور امورِ محسوسہ مشہودہ کا انکاری ہے۔ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ لوگ نیکی بھی کرتے ہیں اور ارتکابِ جرائم بھی دنیا میں ہوتا ہے اور دونوں قوتیں دنیا میں برابر اپنا کام کر رہی ہیں اور ان کا تو کوئی فرد بشر بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کون ہے جو ان دونوں کا احساس اور اثر اپنے اندر نہیں پاتا؟ یہاں کوئی فلسفہ اور منطق پیش نہیں جاتی جبکہ دونوں قوتیں موجود ہیں اور اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔ باقی یہ امر اگر نیکی ہی نیکی کی جاوے تو بدی زور پکڑ کر دنیا کو تباہ کر دے گی۔ اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اس سے تعلق نہیں کہ ایسا ہو تو ایسا ہو اور ایسا ہو تو ایسا ہو۔ ہم اتنا دیکھتے ہیں کہ طبیعتیں مستعد بنائی ہیں۔ کیا اخلاقِ فاضلہ کے واسطے اور کیا رفیضہ کے واسطے؟ ہم اس سے آگے نہیں بڑھتے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 360-362)

”بیان میں جب تک روحانیت اور تقویٰ و طہارت اور سچا جوش نہ ہو اس کا کچھ نیک نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ہے۔ وہ بیان جو کہ بغیر روحانیت و خلوص کے ہے وہ اس پر نالہ کے پانی کی مانند ہے جو موقع بے موقع جوش سے پڑا جاتا ہے اور جس پر پڑتا ہے اُسے بجائے پاک و صاف کرنے کے پلید کر دیتا ہے۔ انسان کو پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ پھر دوسروں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ (المائدة: 106) یعنی اے مومنو! پہلے اپنی جان کی فکر کرو۔ اگر تم اپنے وجود کو مفید ثابت کرنا چاہو تو پہلے خود پاکیزہ وجود بن جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ باتیں ہی باتیں ہوں اور عملی زندگی میں ان کا کچھ اثر دکھائی نہ دے۔ ایسے شخص کی مثال اس طرح سے ہے کہ کوئی شخص ہے جو سخت تاریکی میں بیٹھا ہے۔ اب اگر یہ بھی تاریکی ہی لے گیا تو سوائے اس کے کہ کسی پر گر پڑے اور کیا ہو گا؟ اُسے چراغ بن کر جانا چاہیے تاکہ اس کے ذریعہ سے دوسرے روشنی پائیں۔

جسمانی علوم پر نازاں ہونا حماقت ہے۔ چاہیے کہ تمہاری طاقت روح کی طاقت ہو۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے سائنس یا فلسفہ یا منطق پڑھایا اور ان سے مدد دی بلکہ یہ کہ اَنْبِيَاءُ رُوحٍ مِنْهُ (المجادة: 23) یعنی اپنی روح سے مدد دی۔ صحابہ اُمّی تھے۔ ان کا نبی (سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی اُمّی۔ مگر جو پُر حکمت باتیں انہوں نے بیان کیں وہ بڑے بڑے علماء کو نہیں سوچیں کیونکہ ان پر خدا کی خاص تائید تھی۔ تقویٰ و طہارت و پاکیزگی سے اندرونی طور پر مدد ملتی ہے۔ یہ جسمانی علوم کے ہتھیار کمزور ہتھیار ہیں۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مخالف کے پاس ان سے بھی زیادہ تیز ہتھیار ہوں پس ہتھیار وہ چاہیے جس کا مقابلہ دشمن نہ کر سکے۔ وہ ہتھیار سچی تبدیلی اور دل کا تقدّس و تطہّر ہے۔ جسے نزول الماء ہو۔ وہ دوسروں کے نزول الماء کو کیا تندرست کرے گا۔ صاحب باطن کی بات اگر اس وقت بظاہر ردّ بھی کر دی جائے تو بھی وہ خالی نہیں جاتی بلکہ انسانی زندگی پر ایک خفیہ اثر کرتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 365-366)

تعلیم نسواں

فرمایا:

”حدیث ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ۔ میں پہلے مردوں کا ذکر کرتا ہوں کہ قبل اس کے جو اسلام کی حقیقت معلوم ہو اور اس کی خوبیاں معلوم ہوں پہلے ان علوم کی طرف مشغول ہو جانا سخت خطرناک ہے۔ چھوٹے بچوں کو جب دین سے بالکل آگاہ نہ کیا جائے اور صرف مدرسہ کی تعلیم دی جائے تو وہی باتیں ان کے بدن میں شیر مادر کی طرح رچ جائیں گی۔ پھر سو اس کے اور کیا ہے کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔ عیسائی تو بہت کم ہوں کیونکہ تثلیث و کفارہ اور ایک انسان کو خدا ماننے کا عقیدہ ہی کچھ ایسا لغو ہے کہ اسے کوئی عقیل و فہیم قبول نہیں کر سکتا۔ البتہ دہریہ ہو جانے کا بہت خطرہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ پہلے روز ساتھ ساتھ روحانی فلسفہ پڑھایا جاوے۔ جب آجکل کی تعلیم نے مردوں پر مذہب کے لحاظ سے اچھا اثر نہیں کیا تو پھر عورتوں پر کیا توقع ہے؟ ہم تعلیم نسواں کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہم نے تو ایک سکول بھی کھول رکھا ہے۔ مگر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے دین کا قلعہ محفوظ کیا جائے تاہم ورنی باطل تاثرات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو سواء السبیل، توبہ، تقویٰ و طہارت کی توفیق دے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 379)

توجہ الی اللہ اور دُنیا

فرمایا:

”دیکھو! یہ نہ سمجھنا کہ ان باتوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ تم تجارت نہ کرو یا کاروبار دنیا کو ترک کر کے بیٹھ جاؤ۔ عیال و اطفال جو تمہارے گلے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی خبر گیری نہ کرو یا بیوی بچوں یا بیٹی نوع انسان کے بعض حقوق جو تمہاری ذمہ داری میں داخل ہیں ان کی پروا نہ کرو۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی بجالاؤ اور خدا سے بھی غافل نہ ہو... جب تم اپنی دنیوی آئی اور فانی ضروریات میں اس طرح کا انہماک اور استغراق پیدا کرتے ہو تو خدا تعالیٰ سے منہ پھیر لینا اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کے حصول کے واسطے کوشش نہ کرنا اور خدا تعالیٰ سے منہ پھیر لینا بھلا کسی عقلمندی کا کام ہے؟ وہ خدا جس نے ابتدا میں پیدا کیا اور درمیانی حالات بھی اس کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور انجام کار بھی اسی کی حکومت اور اسی سے واسطہ پڑے گا۔ اس خدا سے فارغ محض اور غافل ہو جانا اس کا نتیجہ ہر گز خیر نہیں ہو سکے گا۔ وہ خدا

جس کے انعامات انسان کے ساتھ ہر حال میں شامل رہتے ہیں اور وہ بے شمار اور بے اندازہ احسانات ہیں۔ اسی کا شکر کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔ شکر اسی کو کہتے ہیں کہ سچے دل سے اقرار کرے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ایسی ہیں کہ بے شمار اور بے اندازہ ہیں۔

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں اور کہوں گا گو بعض لوگ اسے ظاہری خیال یا بناوٹ یا کچھ سمجھیں اور وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کا احسان ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا شکر یہ ادا کیا جاوے۔ سوچ کر دیکھ لو۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اس عہد حکومت سے پہلے سکھوں کے زمانہ میں ہی ہم لوگوں پر کیسے کیسے مشکلات تھے۔ ہمارے باپ دادا کی حالت کیسی خظروں میں گھری ہوئی تھی اور احکام شرعیہ کا رواج تو بجائے خود اذان تک تو اونچی آواز سے کوئی کہہ نہ سکتا تھا۔ بلند آواز سے اذان کہنا ایک ایسا جرم تھا جس کی سزا موت ہوتی تھی۔ کسی قسم کے حلال شرعیہ بھی استعمال نہ کئے جاسکتے تھے۔ بات بات پر انسان کیڑوں مکوڑوں کی طرح ذلت سے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ مگر آج اس عہد حکومت میں کیسا امن کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ اپنی نیت میں خرابی نہ رکھتا ہو۔ تکمیل دین کے واسطے ہر کام کو آزادی سے ادا کر سکتا ہے۔ چاہے جس زور سے اذانیں کہو، نمازیں پڑھو، اعمال بجالاؤ، علوم کی تحصیل کرو یا کسی کارڈ لکھو۔ خواہ خود عیسائیوں کا رڈ لکھو۔ کوئی ناراضگی نہیں۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 387-388)

سامعین! ایمان اعمالِ صالحہ کے بغیر کچھ نہیں

فرمایا:

”یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمالِ صالحہ کے ایسا ہی بیکار ہے جیسا کہ ایک عمدہ باغ بغیر نہریا دوسرے ذریعہ آبپاشی کے نکلتا ہے۔ درخت خواہ کیسے ہی عمدہ قسم کے ہوں اور اعلیٰ قسم کے پھل لانے والے ہوں مگر جب مالک آبپاشی کی طرف سے لا پرواہی کرے گا تو اس کا جو نتیجہ ہو گا وہ سب جانتے ہیں۔ یہی حال روحانی زندگی میں شجرِ ایمان کا ہے۔ ایمان ایک درخت ہے جس کے واسطے انسان کے اعمالِ صالحہ روحانی رنگ میں اس کی آبپاشی کے واسطے نہریں بن کر آبپاشی کا کام کرتے ہیں پھر جس طرح ہر ایک کاشتکار کو تخمیریزی اور آبپاشی کے علاوہ بھی محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے روحانی فیوض و برکات کے ثمراتِ حسنہ کے حصول کے واسطے بھی مجاہدات لازمی اور ضروری رکھے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: 70)“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 395-396)

شُرک کیا ہے

فرمایا:

”شُرک صرف پتھروں کے پوجنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ شُرک کی ایک قسم یہ بھی لکھی ہے کہ انسان خدا کو چھوڑ کر صرف اسباب ہی پر تکیہ کر لے اور یہ شُرک فی الاسباب کہلاتا ہے۔ برہم و غیرہ اس راز توحید کو نہیں سمجھے جو خدا را بخدا باید شناخت میں دکھلایا گیا ہے۔ خدا کی طرف سے آنے والا ایسا ہی ہے کہ گویا خود خدا ہی ہے۔ انسانی گورنمنٹ کی طرف سے آنے والا نائب ہوتا ہے۔ اسی طرح سے رسول بھی خدا میں فنا ہو کر وہ، وہ نہیں ہوتا بلکہ خود خدا ہوتا ہے۔ غرض مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ کا فقرہ توحید کامل کرنے کے واسطے لازمی تھا۔ خدا توحید کو پسند کرتا ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ یہ خصوصیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے جس کو آج ہم پیش کرتے ہیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 333-335)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصابِ نصح پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز بقعة النور عمران۔ جرمنی)

